R. N. 2386/57

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No.

Telegrams: "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۳۲ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۲۲ اگست ۱۹۶۲ء

مکتوب ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد کا مندرجۂ ذیل خط ڈاکٹر سید محمود صاحب کے نام ہے اور گیا کے مرحوم رسالہ ندیم کے سنہ ۱۹۴۰ء کے بہار نمبر میں اس کا عکس چھپ چکا ہے جو اب نظروں سے اوجھل ہے اس لئے نادر ہے۔ یہ خلافت کے طوفانی دور کی یادگار ہے۔ ہندستانی مسلمانوں کے معصوم ترین سیاسی دورہ کی یادگار، جس کی بنیاد بچکانہ تھی لیکن جس کے نتائج اتنے دور رس اور اہم رہے کہ ہندستان کی تحریک آزادی کو جو نیا بھرپور رُخ ملا، خلافت کو اس کا دیباچہ کہنا ایک فی صدی بھی خوش فہمی پر مبنی نہیں ہوگا۔ (عابد رضا بیدار)

حبیبی فی اللہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گو اس سے پہلے خط بھیجا، آپ کا خط رمضان سے چند یوم پیشتر آیا تھا اور میں نے بروقت جواب دے دیا تھا۔ منتظر تھا کہ اس کا جواب آپ کی جانب سے موصول ہو تو بعض امور کی نسبت لکھوں۔ بہرحال اب آپ کا منتظر ہوں اور احتیاطاً خط کا جواب بھی روانہ کر دیتا ہوں۔

بہار کے لئے میری جانب سے کبھی کوتاہی نہ ہوگی بشرطیکہ کم سے کم آپ پوری طرح مستعد رہیں۔ بمبئی سے بعض ضروری امور طے کرنے ہیں اس لئے غالباً میں عید کی شام ہی کو بمبئی کے لئے روانہ ہو جاؤں اور پھر واپسی میں بانکی پور ٹھہروں۔ آپ بہار کے لئے ایک مکمل اور طے شدہ پروگرام تیار کر رکھیں اور میرے لئے ایک ایک دن ان جگہوں میں ٹھہرنا ہے جہاں واقعی اور ناگزیر ضرورت ہو کیونکہ علاوہ بمبئی اور مرکزی خلافت کی ضروریات اور پھر کے دیگر تقاضوں کے خود بنگال کا تمام کام یوں ہی دھرا ہے اور شوال میں اس کے لئے کافی وقت نکالنا نہایت ضروری ہے۔ میں اوائل جون سے دو ماہ بنگال کے لئے قرار دے چکا تھا اور بعض مقامات کو اطلاع بھی کر چکا تھا لیکن آپ کے خط کی وجہ سے بہار کو ترجیح دی اور بنگال کی تاریخیں پیچھے ڈال دیں۔ پس اس کا لحاظ رہے کہ کم سے کم وقت وہاں صرف ہو اور صرف ناگزیر اور واقعی ضروری مقامات سرِدست منتخب کر لئے جائیں۔ پھر جولائی میں ان شاء اللہ بقیہ مقامات کا بھی دورہ ہو رہے گا۔

امید ہے کہ آپ کی آمادگیاں جن کا میرٹھ میں تذکرہ ہوا تھا قائم ہوں گی بلکہ مزید محکم و استوار۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ کچھ دن معیت رہے اور آپ کی خواہش کے مطابق سفر و حضر میں یکجائی رہے علی الخصوص سفر میں۔ خدا نے چاہا تو موجب نتائج و ثمرات ہوگا۔

امید ہے کہ مسٹر مظہر الحق (جن کو اب باقاعدہ صاحب مولانا مظہر الحق کہنا چاہئے، اگرچہ وہ اس سے خوش نہ ہوں گے) بدستور مشغول و منہمک ہوں گے۔ اب ان سے ملنے کو بہت ہی جی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایثار و اخلاص کو مزید قبولیت و ثمرات عطا فرمائے۔

فقیر

ابوالکلام احمد کان اللہ لہ

ڈاکٹر سید محمد عقیل

سہ لسانی فارمولا اور اُردو

ثانوی تعلیم کے کمیشن کی سفارش، سہ لسانی فارمولے کی شکل میں بڑی امید افزا نظر آتی تھی۔ خیال تھا کہ اس طرح نہ صرف اردو کو اس کا جائز اور واجب حق حاصل ہو جائے گا بلکہ تمام لسانی اقلیتوں کے دل میں جو تشکیک اور امید و بیم کی کیفیت طاری ہو گئی ہے اس کا یک قلم خاتمہ ہو جائے گا۔ اتر پردیش میں لینگویج کمیشن کی متواتر دو تین بیٹھکوں نے اس خیال کی بنیاد کو مضبوط کرنے میں اور مدد پہنچائی اور یہ یقین ہو گیا کہ اب بات محض اخباری دنیا اور تشفی دلاسے تک محدود نہیں ہے بلکہ عملی دنیا کی سرحدوں میں بھی داخل ہونے جا رہی ہے۔ مگر افسوس کہ سہ لسانی فارمولا منظور کر لینے کے بعد بھی حکومت نے جو اس کا عملی پیکر تیار کیا ہے اس میں پھر اردو کی گردن ناپی جا رہی ہے اور بجائے اُردو کے جنوبی ہند کی دوسری زبانیں، اتر پردیش میں زیادہ اہم سمجھی جا رہی ہیں اور اُردو کے حقوق کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

اخباروں میں سہ لسانی فارمولے کی جو اشاعت ہوئی ہے اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مادری زبان کے پڑھنے کا انتظام اور اس کی تعلیم لازمی ہے۔ اتر پردیش کے انٹرمیڈیٹ بورڈ نے بھی ۱۰ر جون کے اخباروں میں یہی اعلان کیا تھا لیکن عمل کچھ اس طرح کیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی چاہے تو انگریزی کے بجائے اردو پڑھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ 'حق خود ارادی' دے کر ارباب حل و عقد یا تو انگریزی کو بھی اتر پردیش کی مادری زبان کا درجہ دینا چاہتے ہیں یا پھر اُردو کو بیرونی زبان کے خانے میں لے جانا چاہتے ہیں۔ ۲۰ر جولائی ۶۲ء کے ہماری زبان میں ایڈیٹوریل کے کالم میں ایک بہت معصوم سا بیان ملتا ہے۔

"ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتر پردیش کے ارباب حل و عقد کو کیا ہو گیا ہے۔ جب سہ لسانی فارمولے میں مادری زبان کی تعلیم ضروری سمجھی گئی ہے اور اُردو کے لئے گنجائش رکھنے میں کوئی عملی دقت نہیں ہے تو قومی یک جہتی کا نام لے کر تعلیم قومیت اور جمہوریت کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کرنے کے کیا معنی ہیں۔ قومی یک جہتی کی رو سے بھی سب سے پہلے لسانی اقلیتوں کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔"

میرا خیال ہے کہ اس کا جواب نئے عملی فارمولے سے بالکل مل جاتا ہے یعنی کہ اُردو اتر پردیش کے ان لوگوں کی مادری زبان ہرگز نہیں جنھوں نے بائیس لاکھ دستخط فراہم کر کے اور جدید مردم شماری میں اپنی مادری زبان اُردو لکھوا کر اس بات کو واضح کرنا چاہا تھا کہ اُردو ہماری مادری زبان ہے۔ یا اگر ہے تو اتنے کم لوگوں کی جنھیں قابل اعتنا نہیں سمجھا جا سکتا یا پھر جن کا وجود قومی یک جہتی کی جدید تحریک میں (جو اُردو زبان اور ادب کے لئے کوئی نئی تحریک نہیں کیونکہ اس کی بنیاد ہی اسی تحریک پر ہے) وہ اہمیت نہیں رکھتا جو جنوبی ہند کی لسانی اقلیتوں کی جماعتوں کا وجود رکھتا ہے یا سیاسی بساط پر رکھ سکتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو قومی یک جہتی کے ناتے اور لسانی اقلیتوں کے تحفظ اور بقا کے لئے اپنے بنائے ہوئے اور منظور شدہ سہ لسانی فارمولے کو نہ سہی تو کم از کم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے فارمولے ہی کو حکومت کو مان لینا چاہئے جو حسب ذیل ہے:-

۱- ہندی
۲- انگریزی یا دوسری یورپین زبان
۳- جنوبی ہند کی کوئی زبان یا اُردو

اس میں دکن کے لوگوں کی بھی دلدہی ہو سکتی ہے اور اُردو والوں کی بھی حوصلہ شکنی نہ ہوگی۔ ہاں اگر فرقہ پرست عناصر حکومت کی تعمیری اور منصفانہ صلاحیتوں کو اس وقت تک بروئے کار نہیں لانے دینا چاہتے جب تک کہ اُتر پردیش میں کوئی یہ کہنے والا ہی نہ رہ جائے کہ ہماری مادری زبان اُردو ہے اور تب اس جھگڑے کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ تو اور بات ہے (کیونکہ وہ زمانہ اب زیادہ دور نہیں رہ گیا بس دس پندرہ سال اور یہ سلسلہ چلا رہے) کیونکہ یہ رویہ قومی یک جہتی اور نیشنل اسپرٹ دونوں کے خلاف ہے اور ایسی کوشش کرنے والے ملک و قوم کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ حکومت کو ان عناصر پر کڑی نظر رکھنی چاہئے اور تعلیمی اداروں کو جنھیں گورنمنٹ مدد دیتی ہے، سخت تاکید کرنی چاہئے کہ وہ اُردو کے پڑھانے کا انتظام کریں جبکہ اردو اب بھی یقیناً اتر پردیش کی واحد بڑی لسانی اقلیت ہے اور موجودہ حالات میں بھی شاید بیسویں صدی تک اُسے یہی اہمیت حاصل رہے۔

خامہ فرسائی یہیں تک پہنچی تھی کہ ہماری زبان کا نیا پرچہ مورخہ ۱۵ر جولائی بھی آ گیا جس میں صاف صاف تحریر ہے:-

"گپتا جی نے یہ بھی کہا کہ تین زبانوں میں اُردو کو شامل کرنے سے قومی وحدت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔"

اس نئے بیان سے اب کوئی پردہ باقی نہیں رہ جاتا۔ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ 'قومی وحدت' کا ترانہ وحدت سے زیادہ 'سیاست' سے متعلق ہے۔ کم از کم یہ تو سمجھ ہی لینا چاہئے کہ اسے زبان اور کلچر سے زیادہ سیاست اور طاقت سے تعلق ہے۔ ہندوستانی سیاست میں یہ بات بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ اہل دکن، شمالی ہند کی سیاست اور اس کے غلبہ کو اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہیں' (باقی صفحہ ۱۱ پر)

آل احمد سرور

مولانا حفظ الرحمٰن — ایک تاثر

"تمہاری خوبیاں زندہ، تمہاری نیکیاں باقی"

انتخابات کے زمانے میں اچانک خبر ملی کہ مولانا حفظ الرحمٰن بہت علیل ہیں، کینسر کا شبہ ہے اور بمبئی علاج کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ کینسر ایسا موذی مرض ہے کہ اس کا نام سن کر ہی خون خشک ہو جاتا ہے اور موت سامنے منڈلانے لگتی ہے۔ مولانا بمبئی سے واپس آئے تو تشویش توی ہو گیا، مگر انسان دل کو کسی نہ کسی طرح ڈھارس دے ہی لیتا ہے۔ اس وقت روس اور امریکہ میں کینسر پر بہت کام ہوا ہے اور ابتدائی مرحلے میں اس مرض کو دور کرنے میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔ مولانا کے متعلق ضروری ریکارڈ روس اور امریکہ بھیجا گیا۔ روس کے ڈاکٹروں نے کہا کہ مرض خاصی خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے اور چھ مہینے سے زیادہ زندگی کی توقع نہیں ہے۔ امریکہ کے ڈاکٹروں نے ایک نئی دوا آزمانے کے لئے بلایا۔ اپریل میں مولانا میڈیسن تشریف لے گئے، جولائی کے وسط میں واپس آئے۔ اخبار سے معلوم ہوا کہ مرض زائل ہو چکا ہے، صرف کمزوری اور ہاتھ کی شکایت ہے۔ مگر یہ سب طفل تسلیاں تھیں۔ میں تین اگست کو میسور میں تھا، وہیں اخبار میں دیکھا کہ مولانا نے اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔

بیماری میں انسان کے کردار کا امتحان ہوتا ہے۔ مولانا سے دو دفعہ بیماری کے زمانے میں ملاقات ہوئی۔ سخت کھانسی اور تکلیف میں مبتلا تھے مگر کیا مجال تھی جو مزاج کی شگفتگی اور طبیعت کے تحمل میں ذرا بھی فرق آتا۔ عقیدت مندوں، دوستوں اور مداحوں کا ہجوم تھا۔ سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، ہر ایک کے معاملات پر بھی گفتگو کرتے تھے۔ اس عالم میں بھی ضرورت مندوں کی امداد کے لئے لوگوں سے کہتے تھے، خط لکھتے تھے اور ضروری مشورے دیتے تھے۔ بیماری بھی مولانا کی ہمت و جرأت استقلال و استقامت کو متاثر نہ کر سکی۔ بہت مختصر الفاظ میں مرض کا تذکرہ کرتے تھے۔ کوئی بھی جاتا، اس کی تواضع ہوتی، پاس بلاتے، خیریت دریافت کرتے۔ اس کے مسائل پر اظہار خیال کرتے۔ جس طرح زندگی میں سب کے کام آتے رہے، سب کی دلجوئی کرتے رہے، اسی طرح مرض الموت میں بھی اپنی وضع قائم رکھی۔ خدا انھیں اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔

مولانا کو آزادی کے سپاہی، ایک بلند پایہ عالم دین، ایک مقرر، سیاسی رہنما کی حیثیت سے سارا ملک جانتا اور مانتا تھا۔ جب مسلم لیگ کا زور تھا تو بہت سے قوم پرست گوشہ نشین ہو گئے تھے، کون آندھی کے گرد و غبار کا سامنا کرے، مگر مولانا میدان چھوڑنے والے نہ تھے۔ ڈٹ کر فرقہ پرستی کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیاقت علی خاں کے مقابلے میں ہار تو گئے مگر ان کے بھی چھکے چھڑا دیئے۔ جب دہلی میں فساد اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہوئی تو مولانا نے جان پر کھیل کر مسلمانوں کی امداد کی۔ انھیں مسلمانوں کی جو انھیں گالیاں دیتے تھے اور برا بھلا کہتے تھے۔ اس زمانے میں جلے پاؤں کی بلی کی طرح مولانا رات دن ایک محلے سے دوسرے میں، شہر کے ایک کونے سے دوسرے تک پھرتے رہتے تھے۔ ہزاروں کو خطرے سے نکال کر لائے۔ سیکڑوں کو موت کے منھ سے بچایا۔ خدمت کا کوئی موقع ایسا نہ تھا جس میں مولانا سب سے آگے آگے نہ رہے ہوں۔ حق گوئی کا کوئی مرحلہ نہ تھا جس میں مولانا نے جرأت اور بے باکی سے سچی بات نہ کہی ہو۔ وہ سچے اور پکے مسلمان تھے، مگر انھوں نے اپنا وقت دوسروں کے ایمان میں کیڑے نکالنے میں صرف نہ کیا۔ وہ مضبوطی کے ساتھ اپنی رائے دیتے تھے، کھلے الفاظ میں بنیادی باتوں میں اختلاف کرتے تھے، مگر جزئیات میں دوسرے کی بات سننے اور ماننے میں انھیں کبھی تامل نہ ہوا۔ وہ کام کرنے والے آدمی تھے۔ کہیں فساد ہوا، کہیں سے زیادتی یا ظلم کی خبر آئی۔ مسلمانوں کے بہت سے خود ساختہ لیڈر بیان دینے یا افسوس کرنے پر اکتفا کرتے تھے، مولانا خود پہنچتے تھے۔ مظلوموں کی امداد کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے، پارلیمنٹ میں سچی اور کھری بات کہنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ پھر ان میں خود نمائی نہ تھی۔ اردو کی تحریک میں مولانا لیڈر کی حیثیت سے نہیں سپاہی کی حیثیت سے انجمن کا کام کرتے تھے۔ جہاں مولانا کی ضرورت محسوس ہوئی بھیج دیا، جہاں دقت ہوئی مولانا نے سلجھا دی، جہاں اختلاف ہوا مولانا کی وجہ سے دور ہو گیا۔ انھوں نے ہمیشہ فصل کے بجائے وصل پر زور دیا۔ وہ کام کرنے والوں کو ساتھ رکھنے اور ان کی دلجوئی کرنے میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ۱۹۵۵ء کی علی گڑھ کی کانفرنس میں طے ہوا کہ انجمن کی کل ہند کانفرنس ۱۹۵۶ء میں دہلی میں ہو۔ مولانا کو پس و پیش تھا کیونکہ وہ دہلی کی دشواریوں سے واقف تھے۔ میں نے کہا کہ مولانا آپ ذمہ داری نہ لیں گے تو یہ کام رہ جائے گا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ تیار ہو گئے۔ اپنے سیاسی کاموں کو ترک کر کے کانفرنس کے انتظامات کئے۔ انھیں کی وجہ سے دہلی کی کانفرنس اتنی شاندار ہوئی۔ پنڈت جی آئے۔ مولانا آزاد نے کانفرنس کو خطاب کیا اور ہماری تحریک کا اثر پورے ملک نے محسوس کیا۔

مولانا ڈسپلن کے قائل تھے۔ اردو کے سلسلے میں بہار کی ایک کانفرنس میں مولانا نے ایک ایسی تقریر کی جو میرے خیال میں انجمن کے ایک ممتاز ممبر کو نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں نے ایک اداریہ میں اس کی طرف اشارہ کیا۔ مولانا نے ایک طویل خط اخبار میں اشاعت کے لئے لکھا۔ میں نے خط روک لیا اور مولانا کو لکھا کہ آپ یہ مسئلہ کونسل میں پیش کریں لیکن اخبار میں آپ کا یہ کھلا ہوا اختلاف کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ مولانا میری بات مان گئے اور پھر کونسل میں بھی میری ہم نوائی کی۔ آج کتنے لیڈر اور سیاسی رہنما ایسے ہیں جو اپنی بات کی پچ نہیں کرتے۔ مولانا نے بھی بات کی پچ نہیں کی، ہمیشہ اپنے نصب العین پر نظر رکھی اور حقائق کی روشنی میں منزل کی طرف سفر کی تیاری کرتے رہے۔

(باقی)

انجمن ترقی اردو بمبئی کے دو تعزیتی جلسے

۱۰ اگست کو انجمن ترقی اردو (شاخ بمبئی) کے دو تعزیتی جلسے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن اور شاہد صدیقی کی وفات پر منعقد ہوئے ڈاکٹر شانتی سروپ نشاط (ٹریڈ ایجنٹ جموں و کشمیر گورنمنٹ) صدر انجمن ترقی اردو (شاخ بمبئی) نے صدارت فرمائی۔ صدارتی تقریر کے بعد انجمن کے جنرل سکریٹری اعجاز صدیقی نے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن کے حالات زندگی اور اُن کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالی اور پھر تعزیتی تجویز پیش کی۔ تعزیتی تجویز کے بعد صوبہ مہاراشٹر کے سابق وزیر اور بمبئی ریجنل کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری مصطفےٰ فقیہ صاحب، مشہور لیڈر معین الدین حارث صاحب (اڈیٹر اجمل بمبئی) اور مہاراشٹر اسٹیٹ انجمن ترقی اردو کے صدر سید شہاب الدین دسنوی صاحب نے بڑی موثر تقریریں فرمائیں۔ ان تقریروں کے بعد شرکائے جلسہ نے ایک منٹ کے لئے کھڑے ہو کر تعزیتی تجویز منظور کی۔

اس کے فوراً بعد اُردو کے مشہور شاعر شاہد صدیقی مرحوم کے سلسلے میں تعزیتی جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ انجمن کے جنرل سکریٹری اعجاز صدیقی نے شاہد صدیقی مرحوم کے حالات زندگی بیان کئے۔ پھر تعزیتی تجویز پیش کی اور تجویز کے بعد جناب سردار جعفری نے مرحوم کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ جعفری صاحب کی تقریر کے بعد حاضرین جلسہ نے کھڑے ہو کر تعزیتی تجویز منظور کی۔

انجمن ترقی اُردو شاخ گلبرگہ کا تعزیتی جلسہ

انجمن ترقی اردو گلبرگہ کا ایک ہنگامی اجلاس ۲ اگست کو منعقد ہوا جس میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب، ایم۔پی اور جناب شاہد صدیقی صاحب کی الم انگیز رحلت پر تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں۔

انجمن ترقی اُردو شمس آباد کا تعزیتی جلسہ

مولانا حفظ الرحمن کی وفات کے سلسلے میں ۴ اگست کو انجمن ترقی اُردو شمس آباد گرگانواں کا ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت مولانا نثار احمد صاحب کیفی مدرس اول مدرسہ شمسیہ گرگانواں منعقد ہوا۔

انجمن ترقی اُردو ناندیڑ کا تعزیتی جلسہ

انجمن ترقی اردو ناندیڑ کے زیر اہتمام ممتاز غزل گو شاعر حضرت شاہد صدیقی اور مولانا حفظ الرحمن کے انتقال پُر ملال کے سلسلے میں ایک تعزیتی جلسہ مولوی حافظ عبداللہ پلیڈر کیفی صاحب کی صدارت میں ہوا جس میں کثیر تعداد میں اردو دوستوں نے شرکت کی۔ مولانا عبدالغفور صاحب نے مولانا حفظ الرحمن صاحب کی جدوجہد سے بھرپور زندگی کا اپنی تقریر میں تفصیل سے جائزہ لیا۔ ڈاکٹر خواجہ عزیز الدین اور رفعت نواز نے شاہد صدیقی کی نثری اور شعری خدمات کو خراج تحسین ادا کیا۔ اختر الزماں ناصر اور شمیم حیدرآبادی نے شاہد صدیقی مرحوم کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ محمود عشقی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو نے شاہد صدیقی، اور مرزا اسعد علی بیگ چغتائی (مؤلف تاریخ ناندیڑ) نے مولانا حفظ الرحمن کی تعزیتی قراردادیں پیش کیں۔

انجمن ترقی اُردو راجستھان کا تعزیتی جلسہ

۹ اگست ۱۹۶۲ء کو منجانب انجمن ترقی اُردو راجستھان (جے پور) مولانا حفظ الرحمن مرحوم کی تعزیت کا ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس میں بلا تفریق مذہب و ملت انجمن مذکور کے ارکان اور دیگر معززین شہر نے بکثرت شرکت کی۔ کارروائی کا آغاز مولانا شاغل جنرل سکریٹری انجمن مذکور کی تقریر سے ہوا۔

انجمن ترقی اُردو شاخ بگدل (بیدر)

انجمن ترقی اُردو شاخ بگدل بیدر کے سالانہ انتخابات بابتہ سال ۱۹۶۲ء کے سلسلے میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں عہدہ داران و اراکین انجمن کے علاوہ عوام کی ایک کثیر تعداد بھی شریک تھی۔ منعقدہ جلسہ عام میں صدر مولوی عبدالحمید صاحب، نائب صدر مولوی عبدالسلام صاحب اور معتمد مولوی محمد نور اللہ صاحب، شریک معتمد مولوی محمد منان صاحب و خازن مولوی عبدالقیوم صاحب متفقہ طور پر منتخب ہوئے۔

ضروری گزارش

براہ مہربانی انجمن سے متعلق جملہ خط کتابت اور ارسال زر "جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ کے پتے پر کیجئے"۔ بعض خطوں پر منصب کی بجائے نام لکھا ہوتا ہے ایسے خطوں کی تعمیل میں مختلف وجوہ سے دیر ہو جاتی ہے۔ جس کے نام خط لکھا گیا ہے اگر وہ کارکن چھٹی پر ہو، بیمار ہو، دورے میں ہو یا عدم موجودگی کی کوئی اور صورت ہو تو وہ ڈاک کھلتی نہیں اور اہم خطوط کا جواب بر وقت نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے خط

"جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ"

کے پتے پر بھیجئے۔ شکریہ

فضا ابن فیضی

شعلۂ آواز

یہ حسیں پھول مرے گیت کے پیمانے ہیں
رنگ کلیوں کا، ستاروں کی نوا، چاند کی ضو
شمع کا نور، شرارے کی لپک، برق کی رَو
لب کی سُرخی، یہ چراغِ رُخِ گلنار کی لَو
سب مری گرمیِ افکار کے افسانے ہیں

میں نے توڑے ہیں سکوتِ گل و لالہ کے فسوں
میں نے کونین کے دل کو نئی دھڑکن دی ہے
جلوۂ فکر کو الفاظ کی چلمن دی ہے
ہر گریباں کو دل آویزیِ دامن دی ہے
مجھ سے سیکھے کوئی پُرکاریِ اسلوبِ جنوں

رنگِ خاموشِ مناظر کا نکھر آیا ہے
ظلمتیں آئی ہیں چہرے پہ صباحت مل کے
مستیِ شوق سے جذبات کے آنچل ڈھلکے
تشنہ لب تھے جو زمانے سے وہ ساغر چھلکے
کن لبوں سے مری آواز کا رس ٹپکا ہے

کتنے موضوع سنوارے ہیں قلم نے میرے
میں نے درِ ذہن و بصیرت کے کھلے چھوڑ دیئے
ادب و شعر و سیاست کو نئے موڑ دیئے
پاؤں دشواریِ منزل نے جہاں توڑ دیئے
اس جگہ پھول کھلائے ہیں قدم نے میرے

میں نے دل خون کیا ہے تو زباں پائی ہے
دردِ حالی کا ہوں، غالب کی خود آرائی ہوں
طرزِ اقبال کی بینائی و گیرائی ہوں
وقت کے فلسفۂ فکر کی گہرائی ہوں
میں نے ہر دَور میں تعلیمِ فغاں پائی ہے

جوشِ خم خانۂ شیراز مرے جام میں ہے
کیف و مستی کے یہ انداز بدل جائیں گے
چُپ ہیں جو محشرِ گفتار میں ڈھل جائیں گے
کچھ چراغ اور بھی آفاق میں جل جائیں گے
مے نہیں، شعلۂ آواز مرے جام میں ہے

میر حسین علی افسر

قطعہ

شاہد صدیقی صاحب مرحوم کے جنازے میں سینکڑوں احباب کو چشمِ پرنم دیکھ کر فی البدیہہ ایک قطعہ کہا گیا جو ہماری زبان کے لئے مرسلِ خدمت ہے۔

شورِ ماتم ہے گلستانوں میں — رنج اپنوں میں ہے بیگانوں میں
احتراماً ترے غم میں شاہد — سرنگوں جام ہیں میخانوں میں

غزلیں

طالب جے پوری

نہ گھبرائے جو دورِ آسماں سے — خداوندا وہ دل لاؤں کہاں سے
ہماری بے زبانی کا فسانہ — سُنیں گے آپ دُنیا کی زباں سے
کمی ہر چیز میں محسوس ہوگی — ہم اُٹھ جائیں گے جب بزمِ جہاں سے
نہ تھی تجھ سے تو یہ امید طالب — شکایت ان کی اور اپنی زباں سے

عادل منصوری

تنہائی میں آتے ہوئے گھبرانے لگی ہے — اب ہم سے تری یاد بھی شرمانے لگی ہے
پھر دل پہ گذرنے کو ہے اک تازہ قیامت — پھر زلف کہیں دیکھ کے بل کھانے لگی ہے
اک تیرے تغافل کی نہیں ہم کو شکایت — اب گردشِ ایام بھی کترانے لگی ہے
عادل یونہی آنکھوں سے نکلتے نہیں آنسو — صورت کوئی بھولی ہوئی یاد آنے لگی ہے

ساحی قریشی ایم۔ اے

دلوں میں درد نہیں ربطِ باہمی کم ہے — یہ دور وہ ہے کہ ذہنوں میں روشنی کم ہے
ہزار شکر کہ محسوس کر لیا ہم نے! — تری نگاہ میں اب سحرِ دلبری کم ہے
گذر رہی ہے بہر حال زندگی ساحی — یہ اور بات کہ احساسِ زندگی کم ہے

آزاد گلاٹی

یادش بخیر! ہم پہ کرم پے بہ پے بھی تھے — اب لطفِ گاہ گاہ کے قابل نہیں رہے
وہ پھر سما سکے نہ کسی کی نگاہ میں — جو دل تری نگاہ کے قابل نہیں رہے
جن سے نہ کارواں کو نشانِ سفر ملے — وہ ذرّے خاکِ راہ کے قابل نہیں رہے
اُن ذرّوں پہ اب وسعتِ کونین تنگ ہے — جو تیری جلوہ گاہ کے قابل نہیں رہے

چندر پرکاش شاد

تدارکِ غمِ ایام چاہتا ہوں میں — تری نگاہ کا اک جام چاہتا ہوں میں
جو انتظار کو رنگیں بنائے رکھتی تھی — وہی ادائے رُخِ شام چاہتا ہوں میں
وہ حادثے جو تری آنکھ سے عبارت تھے — وہ حادثے تو بہر گام چاہتا ہوں میں
خودی کا لاکھ پرستار ہوں مگر پھر بھی
کوئی صدا، کوئی پیغام چاہتا ہوں میں

دیریندرپرشاد سکسینہ بدایونی

منشی گور سہائے ملتجیؔ

کاکوری بڑی مردم خیز بستی ہے۔ ناؔدر کاکوروی، محسنؔ کاکوروی اور ملتجیؔ جیسے شاعروں کو جنم دیا ہے جن کے نغمات سے اُردو کی دنیا گونجتی رہے گی۔ ملتجیؔ کا نام افقؔ، شعلہؔ، فرحتؔ، نوشترؔ، جگرؔ بریلوی، منوؔر لکھنوی اور محرومؔ کی طرح اُردو سے ذوق رکھنے والے ہندوؤں کی رگ رگ میں بسا ہوا ہے۔ آپکے "سداماں چیر ترّ" کا ہندو مندروں میں شعلہؔ کی "بزم بندرابن" کی طرح پاٹ کرتے ہیں۔ ملتجیؔ کا پورا نام گور سہائے تھا سن ولادت معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن پتہ نہ چلا۔ شری واستو کالیستھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُردو، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ آپ کلکٹری اناؤ میں چار سال تک صدر ناظر کے عہدے پر فائز رہے تھے۔ پنشن کا زمانہ اقلیم سخن کے تاجدار مرلی والے کی یاد میں بندرابن میں گذرا اور وہیں وفات پائی جس کو ۲۵ سال کا عرصہ ہوا۔ "سداماں چیر تر ملتجی" کے دو ایڈیشن مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس مطبع کے علاوہ بالنسات ایڈیشن اس کتاب کے اور پبلشروں نے بھی شائع کئے ہیں۔

میری نظر سے جگرؔ بریلوی، برقؔ مرحوم، مسعدؔ مرحوم، منشی گردھاری لال اسدؔ اور کئی شاعروں کے "سداماں چیر تر" منظوم گذر چکے ہیں۔ اگر میری رائے کوئی اہمیت رکھتی ہے تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جگرؔ بریلوی کے "کرشن سداماں" کے علاوہ اب تک کوئی "سداماں چیر تر" اس سے بہتر منظوم نہیں ہو سکا ملتجیؔ کے سداماں چیر تر منظوم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بیانیہ شاعری میں استادی کا درجہ رکھتے تھے۔ ہندی کے میٹھے پیارے پیارے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ "سداماں چیر تر" کو منظوم کر کے جو گراں قدر خدمت آپ نے انجام دی تھی وہ قابل داد ہے۔ "اُردو اور کالیستھ" کے موضوع سے منشی گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی نے ایک مقالہ "دور جدید" دہلی کے اُردو نمبر میں لکھا ہے اس میں ملتجیؔ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:-

"اب ایک ایسے شاعر کا ذکر کر رہا ہوں جو بندرابن میں واصل بحق ہوئے۔ منشی گور سہائے ملتجیؔ کے متعلق یقینی نہیں کہ وہ سکندرآباد کے تھے یا لکھنؤ کے۔ ان کی تصنیف "سداماں چیر تر" بڑی شان دار ہے اس میں ہندی نظمیں بھی ہیں۔ اصل کتاب تو مسدس کی صورت میں ہے لیکن اس میں غزلیں بھی ہیں اُردو کی بھی اور فارسی کی بھی اور لطف یہ ہے کہ غزلیں موضوع کے مطابق ہیں۔ مثلاً جب سداماں دوارکا کے قریب پہنچتے ہیں تو غزل کا مطلع ہے ؎

صبا صبح سعادت ہے مسافر کو خبر کر دے
کہ اب شام غریبی پر ذرا جلد سفر کر دے"

میرا اندیشہ ہے کہ کہیں کرشن جی نہ چھا گئیں تو بڑی خفت ہو گی چنانچہ فرماتے ہیں:-

بتا دے گوہر درج شرف اشک ندامت کو
جواب خشک سے اپنے وہ جس کی چشم تر کر دے

اُردو زبان اور کالیستھ کے موضوع سے دور جدید دہلی کے اُردو نمبر میں حضرت منوؔر لکھنوی کا ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے اس میں ملتجیؔ کے بارے میں حضرت منوؔر لکھنوی فرماتے ہیں:-

"علی گڑھ کے منشی مراری لال شعلہؔ کا کلام بھگتی رس میں ڈوبا ہوا ایک خاص تاثیر رکھتا ہے۔ ان کی "بزم بندرابن" کا جواب ہندوؤں کے مذہبی لٹریچر میں اگر ملتا ہے تو صرف ملتجیؔ کے "سداماں چیر تر" میں۔ دونوں بزرگوں کے یہ کارنامے تاثیر کے لحاظ سے سحر سامری کا اثر رکھتے ہیں"

"سداماں" کا مانگنے کی برائی بیان کرنا اپنی استری سیلا سے اس کے چند بند ملاحظہ فرمائیے۔

مانگنا خوب نہیں جان مرا کہنا مان　　کیوں بنی جاتی ہے نادان مرا کہنا مان
اس سے گھٹ جاتی ہے سب شان مرا کہنا مان　　اس سے راضی نہیں بھگوان مرا کہنا مان
مانگ ہی سر پہ ترے مانگ تو کیا دیتی ہے
مانگ چھوٹے بڑے بالوں کو بندھا دیتی ہے

مانگنے سے کوئی بدتر نہیں دنیا میں طریق　　مانگنے والے ہیں سب شہر ملامت کے غریق
آشنا ان کا نہیں کوئی نہ مشفق نہ شفیق　　دینے والے بھی جہاں میں ہیں بہت کم توفیق
کرکے کیا مانگنے محتاج ہیں سب کوڑی کے
ہم بھی ان مفلسوں سے ہو جائیں گے اب کوڑی کے

جو ہمیشہ رہی نعمت سے ترازو کی طرح　　چشم مردم سے وہ گر جاتے ہیں آنسو کی طرح
دو گھڑی رہتی ہے دولت کو بھی آہو کی طرح　　یہ تو مٹھی سے نکل جاتی ہے بالو کی طرح
باؤلی اسکی تو یوں چاہ نہ کر جانے دے
دھن غم کھا کے جو مر جائے تو مر جانے دے

اہل دنیا میں بتا کون ہے خورسند یہاں　　شمع ساں عاشق و معشوق ہیں پابند یہاں
ناچتے رہتے ہیں بے عقل و خردمند یہاں　　یہ وہ ہے بزم تغافل کہ دم چند یہاں
مے عشرت سے کوئی جام جو بھر لیتا ہے
آسماں اس کا وہیں کاسۂ سر لیتا ہے

سخت حیرت ہے کہ ہے کون جہاں میں ایسا　　مل گیا اسکو وہی جس نے کہ چاہا جیسا
اہل دولت کا قناعت میں بھروسہ کیسا　　کوئی کوڑی کی جگہ پر نہیں دیتا پیسا
ابر کو دیکھ کے جب سیپ نے منہ پھیلایا
ایک قطرے کے سوا کچھ نہ دہن میں آیا

عرش سے تا بہ ثریٰ رخت نعم جو کچھ ہے　　سیم و زر لعل و گہر دام و درم جو کچھ ہے
مخزن ثروت بالائے حشم جو کچھ ہے　　مایۂ عشرت و سامان کرم جو کچھ ہے
باؤلی سب یہ امانت ہیں پڑوسن کالے کا
ہاتھ ڈالے گی تو ہاتھ آئے گا بیچن کالے کا

نصیر الدین ہاشمی

غلام رسول بیگ شوق کا قلمی دیوان

غلام رسول بیگ شوق کا زمانہ گزشتہ صدی عیسوی کے وسط سے تعلق رکھتا ہے، یہ حیدرآباد کے شاعر تھے، اسی دور میں حیدرآباد کے ایک اور شاعر بھی شوق تخلص کرتے تھے۔ ان کا نام محمد علی تھا اور انھوں نے چہار درویش کے افسانے کو بھی نظم کیا تھا جس کے مخطوطات کتب خانۂ سالار جنگ وغیرہ میں موجود ہیں۔

یہ دوسرے شوق ہیں ان کا نام غلام رسول بیگ تھا۔ ان کے حالات کسی تذکرے میں درج نہیں ہیں، اور نہ حال کے کسی محقق نے ان کے متعلق کوئی صراحت کی ہے، کیونکہ آج تک ان کا نام اور ان کے دیوان کی کسی کو اطلاع نہیں تھی۔

جو کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں وہ صرف ان کے دیوان سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس دیوان کا ایک قلمی اور کرم خوردہ نسخہ جامعہ نظامیہ میں محفوظ ہے۔

یہ دیوان ۱۰×۶ سائز کے ۱۸۲ صفحات پر مشتمل ہے شروع سے آخر تک حاشیہ پر بھی غزلیات وغیرہ درج ہیں اور غزلیات اشعار اور مصرعوں کی کاٹ چھانٹ بھی ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ اصل مصنف نے ہی تصحیح کی ہو۔

دیوان کے پہلے صفحہ پر "غفور النساء بیگم" کے لئے لکھے جانے کی صراحت ہے۔ دیوان میں ردیف وار غزلیات درج ہیں، اس کے بعد قصائد، رباعیات، قطعات وغیرہ بھی شامل ہیں، اردو غزلیات کے سلسلے میں چند فارسی غزلیات بھی درج ہوئی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے شوق کو فارسی شاعری سے بھی شغف تھا۔

دیوان میں کئی قصائد بھی شامل ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ جاگیردار "یاسم" (تعلقہ بانری ضلع پربھنی) کی مدح میں ہے، جاگیردار کا نام درج نہیں ہے۔

ایک فارسی قصیدہ نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کی مدح میں ہے۔ کئی قصیدے مہاراجہ چندو لال[1] اور ان کے فرزند راجہ بالا پرشاد کی مدح میں درج ہیں۔ اسی لئے ہم نے ان کو مہاراجہ چندو لال کے بزم کے شعراء میں شامل کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے شوق کو میر عالم سے بھی تعلق تھا ایک جگہ ان کا ذکر ایک نہر کے متعلق کیا ہے۔ "تالاب میر عالم" ۱۲۱۱ھ میں تیار ہوا ہے۔ اسی زمانہ کا یہ شعر ہو سکتا ہے۔ شعر یہ ہے:

روان ہے فیض کا چشمہ وہ میر عالم کا
شہر میں نہر ہر ایک خانۂ زمیں نکلی

ایک مقام پر اشعار کی تعداد ۲۹۶۹ ظاہر کی گئی ہے۔

شوق تخلص تو ہر شعر میں ہے مگر ایک جگہ اپنا نام بھی ظاہر کیا ہے:

دل و جاں سے میں ہوں غلام رسول
ارے شوق اوس میں ...... کدھر جائے

دیوان کے پہلے صفحہ پر غلام رسول بیگ شوق درج ہے جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دیوان بہت کرم خوردہ ہے اس کی وجہ سے کئی شعر ناقص ہو گئے ہیں، کرم خوردہ الفاظ کی جگہ پر نقطے دے دئے گئے ہیں۔

آغاز

وسعت کو تری ...... ہے عرصہ جہان کا
یہ تو ...... کہاں ہے زمین و سمان کا
کیونکر لکھوں میں وصف تری ......
دفتر ہر ایک برگ شجر ......

دیوان میں اوّلاً ردیف وار غزلیات ہیں اس کے بعد ایک "خیال" ہے دو "ہورے" ہیں۔ دو فارسی تاریخیں ہیں، ایک تاریخ تو خود شاعر کے یہاں فرزند تولد ہونے پر لکھی گئی ہے اور دوسری تاریخ کسی کنویں کی تیاری کے متعلق ہے۔

تاریخیں حسب ذیل ہیں:

خدا بفضل عطا کرد بندہ را پسر — بخشد از کرم خویش جاہ و عمر یاد د (؟)
ز بہر تغمہ بگفت شوق ...... — ...... نونہال تولد شد مبارک باد

دوسری تاریخ کا عنوان ہے "تاریخ حسب فرمائش ......"

بچمن با ...... از بہائے فیض — چاہ و گلشن نمود بہر انام
شد بتاریخ تغمہ ...... — آب نوشید جملہ خاص و عام

پہلی تاریخ میں کچھ الفاظ صاف نہیں ہیں اس لئے صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی۔ البتہ دوسری تاریخ کے اعداد ۱۲۶۰ ہوتے ہیں۔

دیوان میں ایک جگہ خاتمہ اور تمت تمام شد لکھا ہے مگر اس کے بعد بھی چند رباعیات اور قطعات شامل ہیں، خاتمہ کی کئی رباعیوں میں راجہ بالا پرشاد فرزند مہاراجہ چندو لال کا ذکر ہے۔ چند رباعیاں ملاحظہ ہوں:

عالم سے لیتی شہرہ ہے جس کی امداد — وہ راجہ مہاراج ہے بالا پرشاد
ہوں لاکھوں ودالی اور ہے بہر اسکو — حق اپنی کرامت سے اسکو دیو اولاد

مہاراجہ بہادر بالا پرشاد — یہ راجہ اور مہاراجہ رہیں شاد
ہو جوں عقدہ پاداشتہ عمر — رہیں پرشاد فرحاں اور آباد

ایسی دے اسکی ذو الجلال گرہ — خضر کی عمر کی تو ڈال گرہ
بالا پرشاد ہو طویل حیات — کرے شاداں سدا یہ سال گرہ

---

[1] شاداں مہاراجہ چندو لال کا تخلص تھا۔

ان کے علاوہ کئی قطعوں میں دسہرہ، عید الفطر اور عید الضحیٰ کی مبارک باد ہے۔

سُرخ رو تو رہے سر سبز ہو باغِ دولت
تا قیامت رہے روشن یہ چراغِ دولت
تجھ کو ہر روز دسہرہ ہو دوالی ہر شب
خرّمی سے رہے پُر کیف ایاغِ دولت

تا روز قیام رہیو شاداں قائم | ہو طولِ حیات جاہ و حشمت دائم
ہر روزہ تجھے ہو عید ہر شب قدر | ہر شام و سحر دعا ہیں سائے صائم

جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس دیوان میں کئی قصیدے بھی ہیں۔ جاگیردار باسم کی مدح کے قصیدہ کا آغاز یہ ہے۔

بلبل سے صبا آج چمن میں تھی یہ مذکور
ہے دھوم بہاروں کی خزاں اب ہے معدوم
ہے شہر منادی شہ خوباں کی چمن میں
لالہ کے سوا داغ نہ ہو کوئی دل رنجور

گریز ملاحظہ ہو۔

کہنے لگی معلوم نہیں تجھ کو ابھی تک
وہ ماہ سے ماہی تلک ہے شخص جو مشہور
حق مسندِ عزت پہ رکھے اس کو ہمیشہ
باسم کا جو نواب ہے محکم ہے منصور
اس نام کے سنتے ہی ہوا دل سے۔۔۔۔
خورشید کے مطلع کی طرح مطلع پر نور

نواب سکندر جاہ کی مدح کا قصیدہ فارسی میں ہے مطلع ہے

سحرم گفت مرغ بستانی | لایق سیر باغ انسانی

مہاراجہ چندو لال کے مدحیہ قصائد کئی ایک ہیں۔ ایک قصیدے کا مطلع ہے:

گھٹا کس دھوم سے اٹھی ہے ساقی ابر چھایا ہے
ہوا بدلی ہے ساماں کر عجب موسم یہ آیا ہے

مہاراجہ چندو لال کے غسلِ صحت کے قصیدہ کا مطلع ہے:

ہو مبارک یہ مہاراج کو غسلِ صحت
نت جہاں میں رہے شاداں بخوشی و فرحت

اور کئی قصیدے ہیں، ان کو متروک کر کے غزلیات کے چند شعر پیش ہیں:

حسن و جمال اس کو دیا ہم کو سوزِ ہجر
شکوہ بھی رہا مجھے تقدیر سے صدا

اس تشنۂ دیدار کے تو پاس ہو دن رات
دل شوق کا ملنے سے مدہر گاہ بھرے گا

روح تازی ہوئی اور جان پڑی قالب میں
جس گھڑی نام ترا میری زباں تک آیا

اے بحرِ حسن تشنۂ دیدار شوق ہے
ہوتا نہیں ہے دل کبھو سیراب کیا سبب

او چہرۂ شکن وعدے کیتی اپنے وفا کر
تو مل یا نہ مل فیر ہے پا ہم سے ملا کر

ہوں درد و الم دور مرے ایک ہی پل میں
ٹک دیکھے تو میری طرف آنکھ اٹھا کر

نامہ کے انتظار میں جاناں ہے جاں بہ لب
قاصد کی آرزو ہے پیغام کی ہوس،
جس طرح گل کی دید کا بلبل کو شوق ہے
ویسی ہی ہم کو اپنے گل اندام کی ہوس

شمشیر کیوں کیا ہے تو اہلِ ستم علم
ابرو ترے ہیں شوق کے حق میں بجائے تیغ

ہو آنکھ لڑی جب سے عجب ہے طپشِ دل
کیا کاوشِ مژگاں میں ہوئی ہے خلشِ دل

سنوارتی تھی عروس غنچے مشاطہ ہو کر نسیمِ سحری
بدصدا بلبل پکارتی تھی کہ شاہ گل کا جلوس حجم

جو عاشق ہیں ترے مہجور تجھ سے
بجائے عیش وہ غم چاہتے ہیں

جب سے پیارا وہ گیا پردیس کو
تب سے سونا کر گیا اس دیس کو

کیا فائدہ حاصل ہوا اس عشق میں اے شوق
دیکھی نہ کبھو عیش کچھ آرام نہ پائی

دم غنیمت خوشی سے دم گذرے | زندگی کس کی جاودانی ہے
شوق کا شعر ہے اسی کے پسند | جو کوئی صاحب معانی ہے

عشق کے بحرِ تلاطم کا مزا ہم سے تو پوچھ
لذتِ غرق سے واقف نہیں ساحل والے

آل انڈیا لسانی کنونشن

نئی دہلی میں ۱۲ر اگست کو ایک آل انڈیا لسانی کنونشن منعقد ہوا۔ مقررین نے لوگوں سے یہ اپیل کی کہ وہ انگریزی کو قانونی زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے کی کوششوں کی سخت مخالفت کریں۔ کنونشن کی صدارت فرماتے ہوئے ماما ورمکر ایم۔پی نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا کہ وزیرِ داخلہ نے ابھی حال میں پارلیمنٹ کے اندر یہ اعلان کیا ہے کہ وہ غیر معینہ مدت کے لئے انگریزی کو ایک ثانوی زبان قرار دینے کے لئے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مدرسین کی بہبود کے قومی فاؤنڈیشن کے لئے عطیات

حکومتِ ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ مدرسین کی بھلائی کے قومی فاؤنڈیشن کو دئے جانے والے تمام عطیات انکم ٹیکس اور تحفہ ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں گے۔

شمعِ ادب چنڈی گڑھ کا سالانہ انتخاب

لائف انشورنس کارپوریشن چنڈی گڑھ کی ادبی انجمن "شمعِ ادب" کا سالانہ جلسہ ۹ر اگست کو زیرِ صدارت جناب بی۔ ڈی۔ کالڑا منعقد ہوا جس میں عہدے داروں اور اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

حلقۂ فکر و فن پٹنہ

۱۳ر اگست کی شام کو حلقۂ فکر و فن کی پندرہویں نشست بصدارت طالب حسین طالب منعقد ہوئی جس میں اور حضرات کے علاوہ غنی صدیقی، طارق بی اے، شہاب شمسی، عطا عبدالجلیل مدنی، انجم چندجی، شاکر احمد یحییٰ شاکر، محمد عالم شمسی، مجید عالم مجید اور عبدالقدوس کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

انجمن تعمیرِ اردو دلّی

گذشتہ اتوار (۲۹ر جولائی) کو انجمن تعمیرِ اردو دلّی کا ماہانہ طرحی مشاعرہ اردو ہال اردو بازار دلّی میں اپنی شاندار روایات کے ساتھ منعقد ہوا۔ میرٹھ کے ادب نواز میونسپل کمشنر حکیم سیف الدین صاحب رئیس میرٹھ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

پاکستان کے مشہور ناقد و محقق ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب نے مشاعرے کا افتتاح کیا۔

ضرور دیکھئے!

اگر آپ کے پتے کی چٹ پر سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ [illegible] کی مدت ختم ہو چکی ہے [illegible] سالانہ چندہ [illegible] منی آرڈر [illegible] سلسلہ جاری رکھئے۔

منیجر

اردو سوسائٹی مراد نگر

اردو سوسائٹی محلہ مراد نگر کا پہلا ادبی جلسہ بتاریخ ۲۹ر جولائی ۱۹۶۲ء منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت صدرِ سوسائٹی جناب محمد مختار الدین حافظ نے کی۔ کارروائی کا آغاز معتمد جناب سید ناظر الدین ناظر کی تعارفی تقریر سے ہوا جس میں موصوف نے سوسائٹی کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔

(حسن یوسف زئی)

شاہد صدیقی کے انتقال پر راجہ پرتاپ گیر کا اظہارِ رنج

بیگم شاہد کو ایک سو روپے کا چیک

راجہ پرتاپ گیر جی نے حسبِ ذیل مکتوب ایڈیٹر روزنامہ سیاست (حیدرآباد) کے نام روانہ کرتے ہوئے ایک سو روپے کا چیک مرحمت فرمایا ہے۔

"شاہد صدیقی کی اچانک موت سے مجھے صرف رنج ہی نہ ہوا بلکہ سخت صدمہ ہوا۔ اس لئے کہ وہ مجھ کو بزرگ مانتے مجھے میرا بڑا ادب کرتے اور جہاں کہیں ملتے چلنے میں مجھے سہارا دیا کرتے۔ افسوس یہ سہارا جاتا رہا۔

غنچہ و گل میں دھرا کیا ہے بتائے بلبل
جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے

میں اس خیال سے کہ مرحوم کے پسماندوں کا ایسے وقت میں ہاتھ بٹاؤں آپ کے نام ایک سو کا چیک روانہ کر رہا ہوں۔ براہِ کرم یہ ناچیز رقم شاہد کی بیگم صاحبہ کو اس دعا کے ساتھ پہنچا دیجئے کہ بھگوان ان کے شوہر کی آتما کو شانتی دیں اور آپ سب کو اس صدمہ کو سہن کرنے کی شکتی بخشیں۔"

خلائی تسخیر کا ایک نیا باب

ماسکو۔ ۱۵ر اگست ۶۲ء خلائی جہازوں کی مشترکہ پرواز کا پروگرام جس پر سوویت یونین کے شہری خلا باز میجر آندریان نکولائیف اور لفٹننٹ کرنل پاویل پپوویچ نے مکمل طور پر پورا ہوا۔

مشترکہ خلائی پرواز کے دوران خلائی جہازوں کے درمیان دو طرفہ ریڈیو رابطہ پہلی بار برقرار رکھا گیا۔ پرواز کے دوران خلا بازوں نے ایک دوسرے سے گفتگو کی، مشاہدات پر تبادلۂ خیال کیا اور اپنے کام میں تال میل پیدا کیا۔ طویل خلائی پروازوں کے دوران رسل و رسائل کا انتظام کرنے کے متعلق بہت قیمتی مواد ملا۔

اس مشترکہ پرواز کے ذریعہ زبردست سائنسی اور ٹکنکل اہمیت کا مواد جمع کیا گیا جو بیرونی خلا کی مزید تسخیر اور انسان کے پرانے خواب یعنی دوسرے سیاروں تک پہنچنے کے کام میں غیر معمولی اہمیت اختیار کرے گا۔

محمد بشیر الحق دسنوی

رسالۂ ادیب فیروز آباد ضلع آگرہ

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے الاصلاح لائبریری دسنہ سیکشن میں رسالہ ادیب فیروز آباد ضلع آگرہ کی پہلی جلد جو ۱۹۰۹ء (جنوری لغایت دسمبر) میں سید اکبر علی صاحب اکبرآبادی کی ادارت میں شایع ہوئی تھی محفوظ ہے۔ اس جلد کے صفحات مسلسل ہیں اور ۴۸۰ صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔ اس کی تقطیع وہی ہے جو رسالہ معارف اعظم گڈھ کی ہے۔ کتابت بہت روشن اور کاغذ بھی اچھا ہے۔ پوری جلد مطبع مفید عام آگرہ کی چھپی ہوئی ہے۔ سالانہ چندہ پہلے للعہ تھا جب خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو مئی جون کے مشترکہ نمبر کے ساتھ سالانہ چندہ ۵ پیسے کردیا گیا۔ پہلی جلد کی اشاعت کے بعد ہی رسالہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا اس جلد کے قابل لحاظ مضامین کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

(۱) نیچر (۱)، (۲)، (۳)، (۴) ———— مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی

(۲) علامہ ابن خلدون۔ ملخص

(۳) برفستان کے باشندے اور ان کی عادتیں۔ مترجمہ ایڈیٹر

(۴) عجائبات عالم۔ مترجمہ ایڈیٹر

(۵) فلسفۂ مذہب۔ مولوی سید امجد علی اشہری

(۶) الروح ما الروح۔ شاہ محمد اکبر ابوالعلائی دانا پوری

(۷) فن عمارت کے کمال وزوال کا تذکرہ۔ منشی معین الدین اکبر آبادی۔

(۸) چینیوں کے بعض مذہبی عقائد۔ ایڈیٹر

(۹) علم ہیئت: پروفیسر مولوی ضیاء الدین احمد ایم۔ اے محمڈن کالج علی گڑھ۔

(۱۰) جیالوجی (علم الارض)۔ مولوی مرزا مہدی خاں

(۱۱) مادہ کی حقیقت۔ مولوی محمد منور خاں۔ مشن اسکول کاس گنج۔

(۱۲) نیچر کی ڈسپینسری میں مرکب القوی دوا۔ ریاضت } از ملفوظات مولانا اشہری

(۱۳) شمرو کی بیگم کے دلچسپ حالات زندگی۔ ایڈیٹر

ہر پرچے کے ساتھ (۱) عجائبات عالم (۲) دلچسپ مفید معلومات اور (۳) یادگاری واقعات کے زیر عنوان مضامین پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہتیری کتابوں پر ریویو بھی اس جلد میں ہیں۔

مراسلات

کنور سورج نرائن ادیب سیتاپوری

کنور سورج نرائن ادیب سیتاپوری جنھوں نے ۱۳ر اگست ۱۹۶۲ء کو میڈیکل کالج لکھنؤ میں وفات پائی اس دور کے ان اردو پرست اردو دوست اور اردو نواز لوگوں میں تھے جنھیں بجائے خود ایک "انجمن" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ لکھنؤ، دہلی، مدراس، نینی تال، بریلی، جھانسی، الہ آباد وغیرہ کے اکثر بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہو کر اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کر چکے ہیں۔ ایک مخصوص رنگ کے کہنے والے تھے۔ ان کے والد کنور سروپ نرائن کنور آفتاب حسن و تسلیم خیرآبادی کے شاگرد اور اپنے زمانے کے ایک مشہور "ڈرامہ نگار" تھے۔ مشہور ڈرامہ نگار آغا حشر مرحوم کاشمیری ان کے خاص دوستوں میں تھے اور کئی بار ان کے مہمان کی حیثیت سے سیتاپور آ چکے ہیں۔

"ادیب" اردو ہندی کے ایک کامیاب شاعر تھے اور نہایت ہی زود گو! اردو زبان و ادب کی تمام تحریکوں سے انھیں ہمیشہ خاص دلچسپی رہی۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کی مردم شماری تحریک میں انھوں نے خاص دلچسپی لی تھی۔ دروازے دروازے جا کر اردو زبان کی خدمت کی تھی۔ ہر سال ایک دو مشاعرے اعلیٰ پیمانے پر اور ہر مہینے "بزم ادب" کے مشاعرے کیا کرتے تھے۔ خلیق، ملنسار اور مہمان نواز انسان تھے۔ سیتاپور کی ادبی اور مجلسی زندگی میں انھیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ مدتوں سیتاپور میونسپل بورڈ کے چیئرمین اور وائس چیئرمین رہے۔

غزل کے علاوہ سلام، مرثیہ، نظم اور ہندی کے گیت کہنے میں مرحوم کو خاص ملکہ تھا۔ غزلوں کا انتخاب اور سلاموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ دیوان زیر ترتیب تھا کہ حکم قضا آ پہنچا۔

(نادم سیتاپوری)

ساہتیہ اکیڈیمی راجستھان

"ساہتیہ اکیڈیمی راجستھان کی اردو دشمنی" کے زیر عنوان ۲۲ر جولائی سنہ ۱۹۶۲ء کے اخبار ہماری زبان میں سید ممتاز علی صاحب ایم اے اجمیر کا مراسلہ نظر سے گزرا۔ سنین مافیہ میں (جنوری سنہ ۱۹۵۹ء سے دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء تک) مجھے جو وظیفہ دیا گیا تھا اس کی بنیاد اردو مطبوعہ رکارڈ پر ہے اور یہی میں نے عند الطلب اکادمی کو بھیجا تھا۔ ہندی کا کوئی ادبی رکارڈ میرے مرسلہ کاغذات میں شامل نہیں تھا سوائے "ہندی ساہتیہ وشارد" کے سرٹیفکٹ کی نقل کے۔

(معراج دھولپوری)

بقیہ

سہ لسانی فارمولا اور اردو

اور ہندی زبان کی تعلیم کا آرڈیننس ان کے شبہات میں اور اضافہ کر رہا ہے گو کہ قانونی طور پر ملک کی سرکاری زبان ہونے کی حیثیت سے انھیں اسے سیکھنا چاہیے۔ گویا سہ لسانی فارمولے کی اسکیم اہل دکن اور خاص طور پر .D.M.K کی دلدہی کے لئے ہے اس سے اردو والوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور نہ ان کا اس فارمولے سے کوئی تعلق ہے۔ انھیں بلاوجہ خوش نہیں ہونا چاہیے۔

سمپورنانند جی جو اردو کے شاعر بھی ہیں اور اپنے گھر پر مشاعرے بھی کرتے ہیں، انھوں نے اردو کی طرف سے جو رویہ اختیار کیا تھا اس سے اردو دنیا ناواقف نہیں۔ گپتا جی نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی اردو کی مدد شروع کی۔ اردو کی مخالفت کا رویہ بہت بدل گیا۔ لینگویج کمیشن کی بیٹھکیں ہوئیں اور واقعی یہ محسوس ہونے لگا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو رہے گا اور سہ لسانی فارمولے کی تدوین کے بعد تو یہ گمان یقین میں بدل گیا کہ اگر ہماری مادری زبان اردو ہے اور ہم میں اپنی زبان سے بھی اس کے اقرار کی سکت باقی ہے تو یقیناً ہم اردو پڑھ سکیں گے۔ لیکن گپتا جی کے اس نئے انکشاف نے ہماری تمام امیدوں پہ پانی پھیر دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی بخوبی واضح کر دیا کہ کچھ زبردست طاقتیں ایسی ضرور اتر پردیش میں موجود ہیں جو وزیر اعلیٰ کے راستے میں اردو کے سلسلے میں ایسے روڑے اٹکا دیتی ہیں جس کے باعث وہ باوجود اپنی تمام ایمانداری خلوص اور جوش عمل کے اردو کے ساتھ انصاف کرنے سے اب ہچکچا رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری زبان کا یہ انکشاف بالکل غلط ہو اور اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کا آہنی ارادہ اردو بھلائی کے سلسلے میں اسی طرح اٹل رہے جیسا کہ ان کے دوسرے عملی اقدام میں اٹل رہتا ہے اور اردو، تعلیمی اداروں، سماج اور ملک میں اخوت و محبت اور یک جہتی کے نغمے پھر بکھیرنے لگے۔

محمد عتیق صدیقی

تبصرہ

شیرازہ (جموں کشمیر کلچرل اکیڈیمی کا دو ماہی رسالہ)
نگراں، علی جواد زیدی، ایڈیٹر یوسف ٹینگ
تقطیع ۲۰×۳۰/۸، حجم ۱۴۴ صفحات، قیمت دس روپے سالانہ
پتہ، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹس، کلچر اینڈ لنگویجز۔ سری نگر

کشمیر مینو نظیر فلک بوس پہاڑوں، سبز پوش وادیوں، لالہ رخوں اور سمن بروں ہی کا دیس نہیں ہے، بلکہ وہ ہماری تاریخ کے ہر دور میں، فکر و فن کا مرکز اور علم و ادب کا گہوارہ بھی رہا ہے۔ وادی کشمیر کی خنک اور صحت بخش ہوائیں فنون لطیفہ کی ترقی و توسیع کے لئے بھی ہمیشہ سازگار رہی ہیں۔ کشمیر کی سرزمین نے سنسکرت کے بڑے بڑے ودوان اور عربی و فارسی کے جید عالم بھی پیدا کئے ہیں۔

اگست ۱۹۴۷ء کے بعد کشمیر میں جو ہنگامی حالات پیدا ہوئے انھوں نے سیاسی و اقتصادی زندگی کے ساتھ ساتھ وہاں کی علمی و ثقافتی زندگی کے تار و پود بھی بکھیر کر رکھ دئے۔ لیکن حالات جب متوازن ہوئے اور سیاسی و اقتصادی زندگی میں ٹھہراؤ پیدا ہوا تو علمی و ثقافتی تحریکیں بھی وہاں از سر نو ابھرنے لگیں، جن کی آبیاری و شیرازہ بندی کے لئے ریاستی حکومت نے "جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹس کلچر اینڈ لنگویجز" کے نام سے ایک ثقافتی ادارہ قائم کیا۔ اسی ادارے نے جنوری ۱۹۶۲ء سے ایک دو ماہی اردو رسالہ "شیرازہ" نکالنا شروع کیا ہے۔

علی جواد زیدی کے الفاظ میں شیرازہ کے اجرا کا مقصد یہ ہے کہ "اکیڈیمی کی سرگرمیوں سے اپنے ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کو روشناس کرایا جائے اور اس کے ساتھ ہی صالح تحقیق و تفتیش کے لئے سہولت بہم پہنچائی جائے ...... ریاست جموں و کشمیر کی تمام زبانوں اور تمام علوم و فنون پر مختصر مقالے اور تحقیقی مضامین یکجا کئے جائیں"۔

اس وقت تک شیرازہ کے تین شمارے شائع ہو چکے ہیں، جو بڑی حد تک ان توقعات کو پورا کرتے ہیں جو علی جواد زیدی نے اس رسالے سے وابستہ کی تھیں۔ دوسرا شمارہ پہلے شمارے سے اور تیسرا شمارہ دوسرے شمارے سے بہتر ہے۔ یقین ہے کہ اس تدریجی ترقی کا سلسلہ جاری رہے گا اور ہندوستان کے ادبی رسائل کی برادری میں جلد ہی شیرازہ اپنی مخصوص جگہ بنا لے گا۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ شیرازہ کے قلمی معاونین کی فہرست میں اردو کے کشمیری اہل قلم شریک غالب ہیں، اور یہ بات اردو کے لئے شگون نیک ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

ریاست میسور میں اردو کی نشوونما
مصنف۔ ڈاکٹر حبیب النساء بیگم ولی اللہ
مطبوعہ۔ برقی پریس۔ بنگلور ۲
سائز۔ ۱۸×۲۲/۸۔ صفحات ۱۴۴، قیمت دس روپے

ایک سو ایک نظمیں
مصنف۔ ٹیگور، رابندر ناتھ
مترجم۔ فراق گورکھپوری
ناشر۔ ساہتیہ اکاڈیمی۔ نئی دلی
سائز۔ ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۲۱۴، قیمت ۵۰ء۵ روپے

سنجوگ
مصنف۔ ٹیگور، رابندر ناتھ
مترجم۔ رضا مظہری
ناشر۔ ساہتیہ اکاڈیمی۔ نئی دلی
سائز۔ ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۲۷۵، قیمت سات روپے

گورا
مصنف۔ ٹیگور، رابندر ناتھ
مترجم۔ سجاد ظہیر
ناشر۔ ساہتیہ اکاڈیمی۔ نئی دلی
سائز۔ ۱۸×۲۲/۸۔ صفحات ۶۶۲، قیمت دس روپے

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا